غرر، سلم اور استصناع کی حقیقت

The reality of Uncertanity, Salam and Manufacturing

اعجاز علی کھوسہ*

ABSTRACT:

This paper is the study of three modes of business and transactions including Gharar, Salam and Istisna', widely used in Islamic Banking and Islamic Financial Institutions. This study delving in Fiqh Literature brings to the fore the juristic status of all three modes of business and transaction supported by the arguments from Quran, Sunnah and Fiqh literature. The Objective of this paper is to remove misconceptions surround these modes of business and transactions and to clariy their legal position.

Keywords: Sharia business, transactions, Gharar, Salam, Istisna.

غرر کی لغوی معنٰی ہیں دھوکا دینا یا غلط امید دلانا۔ الموسوعۃ الفقہیہ میں ہے: غره غراً وغرة فهو مغرور وغرير خدعه و اطعمه بالباطل[1]۔ لسان العرب میں ہے: غرر، غره، یغره، غراً، وغروراً، وغره الاخيرة عن اللحيني فهو مغرور وغرير خدعه واطعمه بالباطل قال ان امرا غره منكن واحدة بعدى وبعدك فى النار ومغرور[2]۔ القاموس المحیط میں ہے: غرراً وغروراً بالكسرِ فهو مغروراً وغرير كاميه خدعه واطعمه بالباطلِ[3]۔ علامہ ابنِ اثیر کے نزدیک غرر کچھ اس طرح ہے: الغرر ماله ظاهر توثره وباطن تكره فظاهره يغر المشترى وباطنه مجهول[4]۔ جس کو تو اپنی طرف راغب کرے اور اس کا باطن ناپسندیدہ ہو اس کے ظاہر کی وجہ سے خریدار کو دھوکا ہو جائے، کیونکہ اس کا باطن اس کو معلوم نہیں۔

قرآن پاک میں بھی غرر کو دھوکہ کے معنٰی میں استعمال کیا گیا ہے: یایها الانسان ما غرك بربك الكريم[5]

ترجمہ: اے بنی آدم تجھے کس چیز نے دھوکے میں ڈالا اپنے ربِ کریم سے۔

فقہی اصطلاح میں غرر اس کو کہا جاتا ہے جس مں کسی ایک فریق کا معاوضہ غیر معلوم ہو۔ فقہاءِ کرام اس کی وضاحت کچھ اس طرح کی ہے: علامہ کاسانیؒ لکھتے ہیں: الغرر هو الخطر الذى استوىٰ فيه طرف الوجود والعدمِ بمنزلة الشك[6]۔ یعنی غرر ایسے خطرہ پر مشتمل ہے جس میں وجود اور عدم دونوں طرف مساوی ہوں یعنی بیع کے ہونے نہ ہونے کا شک سا ہو۔

علامہ سرخسی لکھتے ہیں: الغرر مايكون مستور العاقبة[7]۔ غرر ایسے معاملہ کو کہا جاتا ہے جس کا انجام پوشیدہ ہو۔

علامہ قرافی مالکیؒ لکھتے ہیں: اصل الغرر هو الذى لا يدرى هل يحصل ام لا كالطير فى الهواء والسمك فى الماء[8]۔ یعنی

*Ph.D Scholar, Assistant Professor University of Sufism & Modern Sciences, Bhitshah, Sindh
Email: aijaz.khoso80@gmail.com

غرر کا اصل معاملہ یہ ہے کہ یہ معلوم نہ ہو کہ بیع حاصل ہو گی یا نہیں، جیسے ہوا میں موجود پرندہ اور پانی کے اندر مچھلی۔

علامہ ابنِ ہمام لکھتے ہیں: الغرر ماطویٰ عنك علمه[9]۔ غرر ایسے معاملہ کو کہا جاتا ہے جس کا مقصد تم سے پوشیدہ ہو۔

علامہ دسوقی لکھتے ہیں: الغرر تردد بین امرین احدھما علی الغرض والثانی علیٰ خلافه[10]۔ غرر دو چیزوں کے درمیان تردد کا نام ہے ایک چیز مقصد کا حاصل ہونا، اور دوسری چیز اس کے الٹ کا معاملہ ہو۔

علامہ رملیؒ لکھتے ہیں: الغرر ما احتمل امرین اغلبھا اخوفھا۔۔۔وقیل ما انطوت عنا عاقبته[11]۔ غرر ایسے معاملہ کو کہا جاتا ہے جو دو پہلوں کا احتمال رکھتا ہو ان میں سے ایک کا احتمال زیادہ تر ہو۔ اور ی بھی کہا گیا ہے کہ جس کا انجام پوشیدہ ہو وہ غرر ہے۔

علامہ ابنِ تیمیہ لکھتے ہیں: الغرر ھو المجھول العاقبة[12]۔ غرر وہ معاملہ ہے جس کا انجام مجہول ہو۔

غرر کے متعلق قرآنی آیات:

قرآن مجید میں غرر کا تذکرہ نہیں ملتا، بلکہ ایسا ضابطہ بیان کیا گیا ہے، جس کے ماتحت غرر کی تمام اقسام داخل ہو جاتی ہیں۔ وہ ضابطہ یہ ہے کہ مال کو ناجائز طریقہ سے استعمال کرنا۔ ارشادِ باری تعالیٰ:

یایھا الذین آمنوا لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم[13]

ترجمہ: اے ایمان والو ایک دوسرے کا مال ناحق مت کھاو مگر یہ کہ آپس میں رضامندی کے ساتھ تجارتی لین دَین ہو تو جائز ہے۔

ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطلِ[14]

ترجمہ: ایک دوسرے کا مال ناحق مت کھاو۔

یایھا الذین آمنوا ان کثیراً من الاحبارِ والرھبانِ لیاکلون اموال الناس بالباطل[15]

ایک جگہ اللہ رب العزت نے ان اشیاء کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے جو اشیاٗ یہودیوں پر جائز تھے مگر ان پر حرام کر دیئے ان کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

واخذھم الربوا وقد نھوا عنه واکلھم اموال الناس بالباطل[16]

ترجمہ: اور اس وجہ سے کہ باوجود منع کئے جانے کے سود لیتے تھے اور وہ لوگوں کا مال ناحق کھاتے تھے۔

غرر کے متعلق احادیثِ مبارکہ:

غرر کے متعلق بہت ساری احادیث مروی ہیں: ا۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث بیان کی ہے:

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنه قال نھیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم عن بیعِ الحصاۃ وعن بیع الغرر[17]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے بیع الحصاۃ اور بیع الغرر سے منع فرمایا ہے۔

ابوداود نے یہ روایت نقل کی ہے:

عن علی رضی اللہ عنہ قال سیاتی علی الناس زمان عضوض یغض الموسر علی مافی یدیہ ولم یومر بذالک قال اللہ تعالیٰ ولاتنسوا الفضل بینکم ویباع المضطرون وقدنھیٰ النبی ﷺ عن بیع المضطر وبیع الغرر وبیع الثمر قبل ان تدارک[18]

ترجمہ: حضرت علی فرماتے ہیں کہ عنقریب لوگوں پر کاٹنے والا زمانہ آئیگامالدار اپنے غلام کو کاٹے گا، حالانکہ اس کا حکم نہیں دیا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ آپس میں بھلائی کرنے والے کو بھلانہ دینااور چار لوگوں کی بیع کی جائیگی، حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے مضطر کی بیع اور دھوکہ کی بیع اور پھل پکنے سے پہلے کی بیع کرنے سے منع فرمایا ہے۔

ابنِ ماجہ نے روایت بیان کی ہے کہ: عن ابن عباس رضی اللہ عنہ نھیٰ رسول اللہ ﷺ عن بیع الغرر[19]

ترجمہ: ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیع الغرر سے منع فرمایا ہے۔

غرر کا شرعی حکم:

مندرجہ بالا عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء کے نزدیک بیع الغرر ناجائز ہے اور استدلال کرتے ہیں بیع بالباطل سے، لیکن قاضی شریح اور ابنِ سیرین کے نزدیک بیع الغرر ناجائز نہیں ہے تو علامہ ابنِ بطال نے اس کا جواب دیا ہے کہ ہو سکتا ہے یہ روایات ابنِ سیرین اور قاضی شریح تک نہ پہنچ سکی ہوں۔ علامہ ابنِ بطال لکھتے ہیں:

وقد یکون ابن سیرین ومن اجاز البیع لم یبلغھم نھیٰ النبی ﷺ عن ذٰلک ولا صحۃ خائف السنۃ[20]

ترجمہ: ممکن ہے کہ یہ خبر ابنِ سیرین یا ان لوگوں تک نہ پہنچ سکی ہو جو بیع الغرر کی اجازت دیتے ہوں ان تک ممانعت کی روایات نہ پہنچی ہوں اور جس کا قول حدیث سے ٹکرائیگا اس کا قول معتبر نہیں ہوگا۔

غرر کے ناجائز ہونے کی شرائط:

غرر کے موثر ہونے یا نہ ہونے کے اعتبار سے دو قسمیں ہیں: غررِ موئثر، غررِ غیر موئثر

غررِ موئثر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے پائے جانے کی وجہ سے عقد فاسد و باطل ہو جاتا ہے، لیکن غیر موئثر ہونے کی وجہ سے عقد صحیح رہتا ہے۔ بیع کے اندر غرر کے موئثر ہونے کی چار شرائط ہیں: غرر عقدِ مالیہ میں سے ہو، غرر عقد کے اندر اصالۃً ہو تبعاً نہ ہو، غرر کثیر ہو، اس وقت کرنے کی ضرورت وحاجت نہ ہو۔

پہلی شرط:

امام مالکؒ کے نزدیک غرر عقودِ تبرع کے اندر پایا جائے تو وہ مضر نہیں اگر غرر مالی معاوضات کے اندر پایا جائے تو وہ مضر ہے جیسے اجارہ، شرکت اور مضاربہ۔ اگر عقودِ مالیہ میں سے بھی نہ ہو جیسے نکاح اس میں زوجین کے مابین مودت اور محبت کا رشتہ قائم کرنا مقصد ہے اس میں مال کا تبادلہ مقصود نہیں ہوتا ہے۔ شوہر کی طرف سے دیا گیا مہر احسان کے طور پر نہیں ہوتا، بلکہ استمتاعِ بضعہ کا

عوض ہوتا ہے جو بیوی سے حاصل ہوتا ہے۔ایسے معاملات میں غررِ فاحشہ تو جائز نہیں، البتہ غررِ قلیل جائز ہے۔علامہ قرافی لکھتے ہیں:

وانقسمت التصرفات عنده علیٰ ثلاثة اقسام طرفان وواسطه فالطرفان احدهما معاوضة صرفة فيجتنب فيها ذالك الامادعت الضرورة اليه عادتاً وثانيهما هو احسان صرف لا يقتصد به تنمية المال كالصدقة والهبة والابرارِ فان هذه التصرفات لايقصد بها تنمية المالِ بل ان فاتت علیٰ من احسن اليه بها لاضررعليه فانه لا يبذل شيئاً بخلاف القسم الاولِ اذا فات بالغرر والجهالات ضاع المال المبذول فی مقابلته فاقتضت حكمه الشرع منع الجهالة فيه اما الاحسان الصرف فلا ضرر فيه فاقتضت حكمه الشرع وحثه على الانسان التوسعة فيه بكل طريق بالمعلوم والمجهول۔۔۔اما الواسطة بين الطرفين فهو النكاح فهو من جهة ان المال فيه ليس مقصوداً وانما مقصده المودة والالفة والسكون يقتضی ان يجوز فيه الجهالة والغرر مطلقاً ومن جهة ان صاحب الشرع اشترط فيه المال بقوله تعالیٰ ان تبتغوا باموالكم يقتضی امتناع الجهالة والغرر فيه لوجود الشبهين توسط مالك فجوز فيه الغرر القليل دون الكثير۔[21]

ترجمہ: امام مالکؒ کے نزدیک تصرفات کی تین قسمیں ہیں؛ دوطرفین اور درمیان مین پہلی طرف محض مالی معاملہ ہے اس میں غرر سے بچنا ضروری ہے سوائے یہ ہے کہ جہاں اس کی حاجت ہو۔دوسری طرف محض احسان کا معاملہ ہوتا ہے اس میں مال مقصود نہیں ہوتا، جیسے ہبہ، صدقہ اور ابرار کہ ان معاملات میں مال مقصود نہیں ہوتا۔اگر یہ عقد نہ کیا جائے تو محض احسان کا نہ کرنا لازم آتا ہے تو اس میں غرر کا ہونا مضر نہیں اس لئے کہ اس میں دوسری پارٹی کو کوئی نقصان کا اندیشہ نہیں بخلاف پہلی قسم کے کہ اس میں غرر اور جہالت کی وجہ سے مالی عوض ضائع ہوجاتا ہے اس لئے شریعت نے اس میں جہالت کو ممنوع قرار دیا ہے یہاں انسانوں کو ابھارنے کے لئے وسعت بتایا گیا ہے، تاکہ اس میں غرر کا پایا جانا نقصان دہ نہ ہو۔

اور وہ معاملہ جو دونوں اطراف کے درمیان ہے وہ نکاح ہے اس وجہ سے کہ اس میں مال مطمع نظر نہیں ہوتا بلکہ زوجین کے مابین محبت اور تسکین کو پیدا کرنا مقصود ہوتا ہے اس میں غرر اور جہالت کی وجہ معلوم نہیں ہوتی، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اس میں مال کی کوئی شرط نہیں لگائی ہے۔جیسا کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ تم اپنے مالوں کے بدلہ طلب کرو اس کا تقاضہ یہ ہے کہ اس میں غرر، جہالت مضر ہو تو دونوں اطراف کی شبہ کی وجہ سے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ان دونوں کے درمیان رکھا ہے۔اس میں غررِ فاحشہ کو ناجائز قرار دیا ہے، البتہ غررِ یسیر کی اجازت ہے۔

دوسری شرط:

دوسری شرط یہ ہے کہ غرر ضمناً ہو تو اس کو برداشت کیا جاتا ہے، کیونکہ شریعت کا تقاضہ ہے کہ بعض دفعہ کسی چیز کے ضمن میں ہونے کی وجہ سے اسے برداشت کیا جاتا ہے، لیکن اگر وہ اصالۃً ہے تو اس صورت میں غرر کو برداشت نہیں کیا جاتا شریعتِ مطہرہ میں اسکی کئی مثالیں ملتی ہیں۔علامہ ابنِ نجیم نے یہ ضابطہ یوں بیان کیا ہے: يغتفر فی الشيئ ضمناً ما لا يغتفر قصداً۔[22]

علامہ نووی لکھتے ہیں:

واذا باع حاملاً بیعاً مطلقاً دخل الحمل فی بیع علی الصحیح وجوباً الاحملها لم یصح البیع علی الصحیح [23]

ترجمہ: جب کوئی شخص حاملہ جانور کی مطلقاً بیع کرتا ہے اور اس نے حمل کا استثناء کرکے بیع کی تو صحیح قول کے مطابق اس کی بیع صحیح نہیں۔

اسی طرح درختوں پر موجود پھلوں کو پکنے اور آفت سے محفوظ ہونے سے پہلے فروخت کرنا ناجائز ہے۔ اگر پھلوں کو درختوں کے ساتھ فروخت کرے تو بالاتفاق جائز ہے۔ مذکورہ مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ غرر کے موثر ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ عقد میں اصالۃً پایا جائے اور اگر ضمناً پایا جاتا ہو تو اسکی وجہ سے عقد فاسد نہ ہوگا۔ علامہ ابنَ قدامہ لکھتے ہیں: یجوز فی التابع من الغرر ما لا یجوز فی المتبوع [24]۔ تابع کے اندر وہ غرر بھی جائز ہوتا ہے، جو متبوع کے اندر جائز نہیں ہوتا۔

تیسری شرط:

تیسری شرط یہ ہے کہ غرر کثیر ہو اگر معمولی درجہ کا غرر پایا جائے تو اس صورت میں بیع فاسد نہیں ہوگی۔ علامہ قرافی لکھتے ہیں: الغرر ثلاثة اقسام کثیر ممتنع اجماعا کالطیر فی الھواء وقلیل جائز اجماعاً کاساس الدار وقطن الجبة ومتوسط اختلف فیه هل یلحق بالاول او الثانی [25]

ترجمہ: غرر کی تین اقسام ہیں غرر کثیر جو بالاتفاق ناجائز ہے، جیسے ہوا میں پرندہ کی بیع۔ غرر قلیل بالاتفاق جائز ہے، جیسے گھر کی بنیاد، جبہ کی روئی میں پایا جانے والا غرر اور غرر متوسط کے بارے میں اختلاف ہے کہ اسے پہلی قسم کے ساتھ ملایا جائے یا دوسری قسم کے ساتھ علامہ ابنِ رشد لکھتے ہیں:

الفقهاء متفقون علیٰ ان الغرر الکثیر فی المبیعاتِ لا یجوز وان القلیل یجوز [26]

ترجمہ: فقہائے کرام اس بات پر متفق ہیں کہ مبیع میں پائے جانے والا غرر کثیر ہو تو جائز نہیں اگر قلیل ہو تو جائز ہے۔

غرر کثیر کا ضابطہ:

غررِ کثیر اور غررِ یسیر کی پہچان کس طرح ہو یہ بہت زیادہ مشکل ہے، کیونکہ عرف اور علاقے کے بدلنے سے یہ بدلتے رہتے ہیں۔ فقہائے کرام نے اس کے لئے ایک قاعدہ مقرر کیا ہے۔ علامہ عبد الولید باجی لکھتے ہیں:

الغرر الکثیر غلب علی العقدِ یوصف به ــــــ والغرر الیسیر ما لا یکاد یخلو عقد منه [27]

ترجمہ: غرر کثیر وہ ہے جو عقد پر غالب آجائے یہاں تک عقد اس غرر کے ساتھ موصوف ہو اور غررِ قلیل وہ ہے کہ جس سے کوئی عقد خالی نہ ہو۔

علامہ دسوقی لکھتے ہیں: غرر یسیر هو ما شأن الناس التسامح فیه [28]۔ غرر یسیر وہ ہے جس میں عام طور پر لوگ تسامح

سے کام لیتے ہیں۔علامہ ابنِ رشد لکھتے ہیں: الغرر الیسیر الذی لاتنفك البیوع منه[29]۔ غررِ یسیر وہ ہے کہ جس سے عام طور پر معاملات خالی نہیں ہوتے۔

مندرجہ بالا عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ فقہائے کرام نے غررِ کثیر اور غررِ قلیل کو متعین کرنے کے لئے ضوابط بنائے تو ضرور ہیں، لیکن حتمی فیصلہ کرنا انتہائی مشکل ہے اور علامہ دسوقی نے جو قاعدہ بیان کیا ہے وہ زیادہ سہل ہے اسی کی روشنی میں اگر اس معاملہ میں لوگ تسامح سے کام نہیں لیتے جو کہ باہمی نزاع کا ذریعہ بنتی ہے تو اس صورت میں غررِ کثیر ہے۔اگر لوگ اس میں تسامح سے کام لیتے ہیں تو اس صورت میں باہمی نزاع کا ذریعہ بھی نہیں بنتی ہے تو اس صورت میں غررِ قلیل ہے۔

چوتھی شرط:

شرطِ رابع میں اگر عقد کو کرنے کی واقعی ضرورت اور حاجت نہ ہو۔اگر ضرورت کی وجہ سے عقد کو جائز قرار دیا جائے تو اس میں غرر مؤثر نہیں ہوگا، جیسے بیع سلم میں غرر اس وجہ سے ہے کہ یہ معدوم کی بیع ہے، لیکن ضرورت وحاجت کی وجہ سے اس کی اجازت دی گئی ہے۔علامہ ابنِ تیمیہ لکھتے ہیں:

مفسدۃ الغرر اقل من الربٰو فلذلك رخص فیما تدعوا الیه الحاجة منه فان تحریمه اشد ضرر کونه غرر[30]

ترجمہ: غرر کے مفاسد سود سے کم ہیں اس لئے ضرورت کے وقت اس کی اجازت دی گئی ہے، تو ایسی صورت میں اسے حرام قرار دینا اس کے غرر ہونے کیلئے ضرر سے زیادہ سخت ہے۔

سلم

عقدِ سلم ایسی بیع ہوتی ہے کہ جس میں بائع اپنے ذمہ مستقبل کی تاریخ میں صفات کے اعتبار سے متعین چیز مشتری کو مہیا کریگا اور بائع مشتری سے مکمل قیمت پہلے وصول کرلیتا ہے۔

سلم میں غرر:

عقدِ سلم پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مبیع دست بدست حوالے کیا جاتا ہے، بلکہ مستقبل کی تاریخ پر عمل میں آرہی ہے اور یہ معلوم نہیں کہ آئندہ وہ چیز سپرد کرنے پر قادر ہوگا یا نہیں۔

شرعی حکم:

اس عقد میں مشتری کو رب السلم، بائع کو مسلم الیه، مبیع کو مسلم فیه اور قیمت کو رأس المال کہا جاتا ہے۔

عقل کا تقاضہ یہ ہے کہ یہ بیع ناجائز ہونی چاہئے، لیکن شریعتِ مطہرہ نے اس بیع کو کرنے کی اجازت دی ہے۔قرآن مجید میں ارشاد:

یایها الذین آمنوا اذا تداینتم بدین الیٰ اجل مسمی فاکتبوہ[31]

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم کسی میعاد کے لئے قرض کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو۔

حضرت ابنِ عباس فرماتے ہیں: اشهد ان الله تعالیٰ احل السلف المضمون وانزل فیها اطول آیة فی کتابه[32]۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے بیع سلم کو حلال قرار دیا ہے اور اس کے بارے میں سب سے لمبی آیت نازل کی ہے۔ یہ فرماتے ہیں کہ آپ نے سورۃ البقر کی مذکورہ آیت پڑھی۔ اس روایت سے بیع سلم کا جواز ثابت ہوتا ہے تاہم شریعت نے کسان، مزارع اور دوسرے لوگوں کی ضرورتوں کا لحاظ کرتے ہوئے اس کی اجازت دی ہے، کیونکہ شریعت لوگوں کی ضرورتوں کا لحاظ کرتی ہے۔ شریعت کا حاصل یہی ہے کہ اس میں انسانوں کے لئے دینی و دنیوی فلاح کا طریقہ موجود ہے۔ حضرت ابنِ عباس سے مروی ہے:

قدم رسول اللہ ﷺ المدینة والناس یسلفون فی الثمر العام والعامین او قال عامین او ثلاثة شك اسماعیل فقال من سلف فلیسلف فی کیل معلوم ووزن معلوم[33]

ترجمہ: جب رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو اس وقت لوگ ایک دو سال یا فرمایا دو تین سال کیلئے پھلوں میں بیعِ سلم کیا کرتے تھے پس آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص کھجوروں میں سلم کرے اسے چاہئے کہ متعین وزن اور مدت کیلئے کرے۔

مذکورہ بالا دلائل کی وجہ سے ائمہ اربعہ اس بیع کو استحساناً جائز قرار دیتے ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے:

واسلف قد یکون بیع مالیس عند البائع فلما نهیٰ رسول اللہ ﷺ حکیماً عن بیع مالیس عنده واذن فی السلف استدلنا علیٰ انه لا ینهیٰ عما امر به وعلمنا انه نهیٰ حکیماً عن بیع مالیس عنده اذا لم یکن مضموناً علیه وذالك بیع الاعیان[34]

ترجمہ: بیع سلم میں بائع ایسی چیز فروخت کرتا ہے جو اس کے پاس نہیں ہوتی، لیکن رسول اللہ ﷺ نے حضرت حکیم کو مالیس عند الانسان کی بیع سے منع فرمایا تو اس سے ہم نے استدلال کیا کہ آپ ﷺ نے جس چیز کا حکم دیا ہے اس سے منع نہیں کیا اور ہم نے یہ جانا کہ آپ ﷺ نے حکیم کو مالیس عند الانسان کی صورت سے منع کیا جب وہ مضمون نہ اور وہ بیع الاعیان ہے۔

علامہ مرغینانی لکھتے ہیں: والقیاس ان کان یأباه ولکنا ترکناه بما روینا وجه القیاس انه بیع المعدوم[35]

اس عقد کی اجازت مزارعت اور کسانوں کی ضرورت کی وجہ سے دی گئی ہے۔ اور آجکل عرب تاجر درآمدات اور برآمدات کا کاروبار کرتے ہیں تو ان کو رقم کی ضرورت ہوتی ہے سود کی حرمت کے بعد انہیں یہ اجازت دی گئی ہے کہ وہ پیشگی اور نقد قیمت پر بیع کرکے اپنا کاروبار جاری رکھیں۔ مولانا تقی عثمانی لکھتے ہیں:

The trades of Arabia used to export goods other places and to import some other goods to their homeland they needed money to undertake this type of business they could not borrow from the users after the prohibition of Riba it was therefore allowed for them that they sell the goods in advance after receiving their cash price they could easily undertake the aforesaid business(36)[36]

ترجمہ: عرب تاجر دوسرے ملکوں کی طرف کچھ اشیاء برآمد کرتے تھے اور وہاں سے اپنے ملک میں کچھ چیزیں درآمد کرتے تھے، اس مقصد کے لئے انہیں رقم کی ضرورت ہوتی تھی۔ ربوا کی حرمت کے بعد یہ لوگ سودی قرضے نہیں لے سکتے تھے اس

لئے انہیں اجازت دی گئی کہ وہ پیشگی قیمت پر یہ اشیاء فروخت کر دیں۔ نقد قیمت وصول کر کے یہ لوگ اپنا مذکورہ کاروبار بآسانی جاری رکھ سکتے تھے۔

بیع سلم کی شرائط:

پہلی شرط: سلم کے جائز ہونے کے لئے ضروری یہ ہے کہ مشتری پوری قیمت ادا کر دے اگر پوری قیمت نہیں دیگا تو دَین کی بیع دَین کے ساتھ ہو گی شریعتِ مطہرہ نے جس کی اجازت نہیں دی ہے۔ علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

منها ان یکون مقبوضاً فی مجلس السلم لان السلم فیه دَین والافتراق عن قبض رأس المال افتراقاً عن دَین بدَین وانه منهي عنه لما روی ان رسول الله ﷺ نهیٰ عن بیع الکالی بالکالی أی النسیئة بالنسیئة ولان ماخذ هذا العقد دلیل علیٰ هٰذا الشرط فانه سلماً وسلفاً لغةً وشرعاً تقول العرب اسلمت واسلفت بمعنیٰ واحد۔۔۔۔۔والسلم ینبیء عن التسلیم والسلف عن التقدیم فیقتضی لزوم تسلیم رأس المال ویقدم قبضه علیٰ قبض المسلم فیه[37]

ترجمہ: بیعِ سلم کے جائز ہونے کی شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ رأس المال پر مجلسِ سلم ہی میں قبضہ کیا جائے ،اس لئے کہ مسلم فیہ تو پہلے ہی دَین ہے اگر رأس المال پر قبضہ کئے بغیر عاقدین کی جدائی ہو گئی تو دَین کے بدلے دَین ہونے پر جدائی ہو گی ،جبکہ رسول اللہ ﷺ نے بیع الکالی بالکالی سے منع فرمایا ہے۔ دوسری وجہ اس لفظ کا مأخذ یہ بےلاتا ہے کہ رأس المال پر قبضہ ضروری ہے ،کیونکہ یہاں پر تسلیم کرنے اور مقدم کرنے کے معنیٰ پائے جاتے ہیں۔ اہلِ عرب سلم سلف دونوں کو ایک معنیٰ میں استعمال کرتے ہیں۔ سلم کا لفظ سپرد کرنے ،جبکہ سلف کا لفظ مقدم کرنے کا معنیٰ دیتا ہے،لہٰذا اس کا تقاضہ یہ ہے کہ رأس المال کی سپردگی کو لازمی اور مسلم فیہ کے قبضہ مقدم کیا جائے۔

دوسری شرط: عقد سلم کی دوسری شرط قبضے کی مدت کم از کم ایک مہینے کا ہو، اگر اس سے کم ہو گا تو سلم صحیح نہیں ہو گا بدائع الصنائع میں ہے:وروی عن محمد انه قدر بالشهر وهو الصحیح لأن الأجل انما شرط فی السلم تر فیها وتیسراً علی المسلم الیه لیتمکن من الاکتساب فیتحقق معنی الترفیة ما دونه ففی حد القلة فکان له حکم الحلول[38]

علامہ ابنِ قدامہ لکھتے ہیں: ومن شرط الأجل أن یکون مدة لها وقع فی الثمن وما قاربه ۔۔۔۔۔ ان الأجل انما اعتبر لیتحقق المرفق الذی شرع من اجله السلم ولا یحصل ذلك بالمرة الرأی وقع لها فی الثمن[39]

ترجمہ: ایسی مدت کا ہونا ضروری ہے جس کا اثر قیمت پر ظاہر ہونے سے ایک مہینے یا اس کے قریب مدت میں اس کا اعتبار اس لئے کیا گیا ہے تا کہ وہ نرمی حاصل کر سکے اس لئے بیع سلم کو شروع کیا گیا ہے یہ نرمی اس مدت میں حاصل نہیں ہو گی جس کا قیمت پر کوئی اثر نہ ہو۔ فقہائے حنفیہ میں سے بعض کا قول یہ ہے کہ مدت متعین نہیں کی کسی بھی وقت فریقین کی رضامندی سے مدت متعین کیا جا سکتا ہے۔

علامہ ابن الھمام لکھتے ہیں:

روی عن الکرخی انه مقدار ما یمکن تحصیل المسلم فیه وهو جدیرٌ لن یصح لأنه لا ضابطه محقق فیه وکذا ما روی عن الکرخی من روایة اخری انه ینظر الی المقدار المسلم فیه والیٰ عرف الناس فی تأجیل مثله[40]

ترجمہ: امام کرخیؒ سے مروی ہے کہ اتنی مدت کا ہونا ضروری ہے جس میں مسلم فیہ حوالہ کیا جاسکتا ہو اور یہ بات صحیح ہے اس میں کوئی قاعدہ مقرر نہیں اور یہ بھی مروی ہے کہ مسلم فیہ کی مقدار کو دیکھا جائیگا کہ عرف میں اسکی مہلت دی جاسکتی ہے۔

مالکیہ کے نزدیک: مالکیہ کے ہاں اس کی کم از کم مدت پندرہ دن کا ہے، کیونکہ پندرہ دن میں ریٹ تبدیل ہوتے رہتے ہیں، علامہ سرخسی لکھتے ہیں: وانما حد اقل الأجل خمسة عشر یوماً لأنه مظنة اختلاف السوق[41]

ترجمہ: بیع سلم کی کم از کم مدت پندرہ دن ہے یہ اس لئے متعین کی گئی ہے کہ اس میں مارکیٹ تبدیل ہونے کا امکان ہے۔

شافعیہ: کوئی وقت متعین نہیں ہے مسلم فیہ کو فوری حوالے کیا جاسکتا ہے اس صورت میں غرر کا پایا جانا کم ہو گا اور تاخیر سے بھی مسلم فیہ حوالے کیا جاسکتا ہے۔ علامہ سلیمان الجہل لکھتے ہیں:

وصح السلم حالاً ومؤجلاً بأن یصرح بها أما المؤجل فبالنص والإجماع أما الحال فبالأولی لبعده عن الغرر[42]

ترجمہ: عقدِ سلم وری اور کچھ عرصہ کے ساتھ دونوں طرح صحیح ہے اس کی شرط یہ ہے کہ ہر ایک کی تشریح کر دی جائے مؤجل ہے اس لئے کہ نص اور اجماع سے ثابت ہے فوری بدرجہ اولیٰ صحیح ہے، کیونکہ یہ صورت غرر سے زیادہ دور ہے۔ مندرجہ بالا عبارات سے یہ معلوم ہوتا ہے تمام فقہاء مدت کے متعین ہونے میں متفق ہیں اگر مدت متعین نہیں کی جائیگی تو یہ بیع فاسد ہو جائیگی۔ ہاں البتہ باہمی رضامندی سے بائع اور مشتری تاریخ متعین کریں تو اس صورت میں اس کو ناجائز کہنے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

تیسری شرط: تیسری شرط یہ ہے کہ جگہ کا متعین کرنا۔ اس میں بی کافی اختلاف ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر وزن والی چیز ہے تو اس کی جگہ متعین کرنا ضروری ہے، کیونکہ اس کے منتقل کرنے میں کافی مشقت در پیش ہو سکتی ہے۔ صاحبین اور امام شافعی کے ہاں جگہ کا تعین ضروری نہیں۔

علتِ فساد:

عقدِ سلم کو شریعتِ مطہرہ کی وجہ سے جائز قرار دیا گیا ہے ورنہ یہ عقد صحیح نہ ہوتا، کیونکہ اس عقد میں غرر پایا جاتا ہے، جیسا کہ نیل الأوطار میں ہے: واختلفوا هل عقد غرر جوز للحاجة أم لا[43]

ترجمہ: اختلاف اس بات میں واقع ہوا کہ عقد سلم میں غرر پایا جاتا ہے، لیکن ضرورت کی وجہ سے اجازت دی گئی ہے۔

حالاتِ حاضرہ میں بیع سلم کا کردار:

عصرِ حاضر میں ایک طریقہ رائج ہوا ہے اس کو متوازی سلم کہا جاتا ہے۔ اس کی صورت کچھ اس طرح ہے کہ ایک شخص یا

ادارہ بیک وقت دو افراد یا اداروں سے سلم کرتا ہے۔ایک عقد سلم میں وہ مشتری (رب السلم) ہوتا ہے، جبکہ دوسرے عقد میں وہ بائع (مسلم الیہ) ہوتا ہے اسی طرح خریدار ہونے کی حیثیت سے سامان خرید کر وہی سامان بائع ہونے کی حیثیت سے دوسرے کو فروخت کر دیتا ہے۔اس کے جواز کے وہی شرائط ہیں جو عقدِ سلم کے ہیں اس میں مزید دو شرطوں کا ہونا ضروری ہے۔

1: ہر عقدِ سلم دوسرے سے الگ اور مستقل ہو کسی ایک عقد کے حقوق اور ذمہ داریاں دوسرے عقد کے ساتھ منسلک کرنا جائز نہیں، جیسا کہ ردالمختار میں ہے: مطلب ما یوجب اتحاد الصفة وتفریقها[44]

ترجمہ: ایک کے حقوق اور ذمہ داریاں دوسرے عقد کے حقوق اور ذمہ داریوں پر موقوف ہے۔

2: متوازی سلم کسی تیسرے فریق کے ساتھ کی جائے جو پہلے بائع ہے اسے متوازی سلم میں دوسرے متوازی معاملے میں خریدار بنانا جائز نہیں ہے، کیونکہ بیعِ عینہ ہے جو کہ ناجائز ہے۔

استصناع (Manufacturing Contract)

استصناع عربی لفظ ہے جو کسی چیز کے تیار کرنے کے مطالبے کا معنی ادا کرتا ہے۔علامہ زبیدی لکھتے ہیں:

استصنع الشئ أی دعا الی صنعه[45]۔کسی چیز کے استصناع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس چیز تیار کرن کا حکم دینا۔

اصطلاحی تعریف:

علامہ کاسانی لکھتے ہیں: عقد علی بیع فی الذمة شرط فیه العمل[46]۔کسی ایسی چیز کا عقد کرنا جو ذمہ میں ہو اس پر عمل کرنا ضروری ہو۔استصناع کے لئے ضروری ہے کہ اس کی صفات متعین ہو۔صفت متعین ہونے کا مطلب یہ ہے کہ خریدار کے لئے بالکل اسی صفات کے مطابق چیز کو تیار کرے۔

سلم اور استصناع میں فرق:

سلم میں یک طرفہ بیع کو ختم نہیں کیا جاسکتا ہے، لیکن استصناع کی صورت میں یک طرفہ عقد کو ختم کیا جا سکتا ہے، لیکن سامان تیا ہونے سے پہلے، علامہ ابنِ عابدین لکھتے ہیں:

انه عقد غیر لازم قبل العمل من الجانبین بلاخلافِ حتی کان لکل واحد منهما خیار الامتناع من العمل کالبیع بالخیار للمتبایعین فان لکل منهما الفسخ[47]

ترجمہ: کام کرنے سے یہ عقد دونوں سے غیر لازم ہوتا ہے، یہاں تک کہ ہر فریق کو اپنے عمل سے رکنے کا اختیار ہوتا ہے، جیسا کہ بیع میں ہوتا ہے دونوں فریقوں کو فسخ کرنے کا اختیار ہو، اس طرح یہاں پر بھی اختیار ہے۔

1: سلم میں مکمل ادائیگی ضروری ہے، لیکن استصناع میں ضروری نہیں۔2: سپردگی کا وقت متعین کرنا، استصناع میں ضروری نہیں ہے۔3: استصناع کو ہمیشہ تیار کر کے دینا ضروری ہے۔

بینکاری کی ایک جائز صورت:

اسلامی بینکاری میں یہ طریقہ اختیار کیا جا سکتا ہے وہ اس طرح کہ آجکل جو تمولی اور مالیاتی ادارے کام کر رہے ہیں لوگ ان کے پاس پیسے لینے آتے ہیں تو ان اکثریت ان لوگوں کی ہوتی ہے جنہیں کسی منصوبے کی تکمیل کرنا مقصود ہوتا ہے تو وہ پیسے ان اداروں سے لیتے ہیں جو سودی کاروبار کرتے ہیں۔ لیکن اس سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ بینک کے پاس آئے اور کہے کہ مجھے فلیٹ تعمیر کروانا ہے تو بینک سے استصناع کرتا ہے کہ مجھے فلیٹ بنا کر دیں تو اس صورت میں بینک خود تو بنا نہیں سکتا، لہٰذا بینک تیسرے آدمی سے بات کرتا ہے تو اس سے استصناع کرلیتا ہے تو بینک اپنا جائز نفع رکھ کر جس نے آرڈر دیا تھا اس کو دیتا ہے تو یہ جائز صورت ہے، لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ بینک نے جو تیسرے سے معاہدہ کیا اگر وہ بنا کر نہیں دیگا تو درمیان میں بینک لازم ہو گا کہ وہ اس کے معاہدہ کو پورا کرے۔

الاستصناع المتوازی:

آجکل کی اصطلاح میں اس کو الاستصناع المتوازی کہتے ہیں، یعنی دونوں متوازی ہیں کہ ایک عقد استصناع ابتداء میں اصل مستصنع اور بینک کے درمیان ہو اور دوسرا عقد بینک اور اصل صانع کے درمیان ہو تو اس کو الاستصناع المتوازی کہتے ہیں۔

جواز کی شرائط:

دونوں عقد مستقل ہوں، ایک دوسرے کے مشروط نہ ہوں۔ ایک دوسرے کے ساتھ موقوف نہ ہوں۔ ایک کی ذمہ داریاں دوسرے کی ذمہ داریوں کے ساتھ گڈ مڈ نہ کی جائیں۔ یہ طریقہ جو استعمال کیا جاتا ہے وہ آجکل فلیٹوں کی بکنگ ہو رہی ہے، اخبار میں روز اشتہار آرہے ہیں کہ ہم ایسا بنگلہ بنا کر دین گے، ایسا فلیٹ بنا کر دیں گے پہلے بکنگ کے پیسے لیتے ہیں اور پھر رفتہ رفتہ پیسے دیئے جاتے ہیں۔ اس کی فقہی تخریج استصناع ہے۔

استصناع کا جواز خلافِ قیاس ہے:

سلم کی طرح اس عقد کا بھی خرید و فروخت اس کے وجود میں آنے سے پہلے کیا جاتا ہے تو ناجائز ہونا چاہئے، لیکن امت کی آسانی کے لئے اس کی اجزت دی گئی ہے۔ علامہ کاسانی نے اس پر تفصیلی بحث فرمائی ہے:

جوازہ فالقیاس ان لا یجوز لانہ بیع ما لیس عند الانسان لا علیٰ وجہ المسلم وقد نھیٰ رسول اللہ ﷺ عن بیع ما لیس عند الانسان ورخص فی السلم ویجوز استحساناً لاجماع الناس علی ذلك لانھم یعلمون ذلك فی سائر الاعصارِ من نکیر وقد قال علیہ الصلاۃ والسلام لا تجتمع امتی علی الضلالۃ وقال علیہ السلام ماروا المسلمون قبیحاً فھو عند اللہ قبیحاً والقیاس یترك بالإجماع ولھذا ترك القیاس فی دخول الحمام بالأجرۃ من غیر بیان المدۃ ومقدار الماء الذی یستعمل فیہ۔۔۔۔وما اشتمل علی عقدین جائزین[48]

ترجمہ: جہاں تک عقدِ استصناع کے جواز کا تعلق ہے تو قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ یہ بیع جائز نہ ہو، کیونکہ ایسی چیز کی بیع ہے جو انسان کے پاس موجود نہیں ہے اور یہ سلم بھی نہیں ہے، جبکہ رسول اللہ ﷺ ایسی چیز کی بیع کرنے سے منع فرمایا ہے جو کہ انسان کے پاس نہیں، البتہ سلم کی اجازت دی گئی ہے وہ بھی استحساناً اجماع کی وجہ سے جو کہ کافی زمانوں سے چلا آرہا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہو سکتی۔ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ جس کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ رب العزت کے ہاں بھی اچھا ہے جس کو وہ برا جانیں اللہ کے ہاں بھی برا ہے۔ اجماع کی وجہ سے قیاس کو ترک کیا گیا ہے، اس لئے قیاس کو ان جیسے بہت سارے معاملات میں ترک کیا گیا ہے، جیسے وقت اور پانی کے استعمال کے بغیر حمام میں ایک متعین اجرت کے بدلے غسل کرنا۔ استصناع کے عقد کرنے کی حجت بھی ہوتی ہے، کیونکہ بعض دفعہ انسان کو مخصوص جنس، مخصوص نوع اور مخصوص صفت کے موزے یا جوتے وغیرہ کی ضرورت ہوتی ہے اس کے مطلوبہ معیار کے مطابق تیار شدہ چیز بہت کم دستیاب ہوتی ہے اور اس مطلوبہ معیار کے مطابق استصناع کرنا پڑتا ہے۔ اگر اس کی نہ دی گئی تو لوگ تنگی میں پڑ جائیں گے جو عقد دو معاملات پر مشتمل ہو اور وہ جائز بھی ہو تو شریعت نے اس کی اجازت دی ہے۔

استصناع میں غرر اور علتِ فساد:

فقہائے کرام اور ائمہ اربعہ کے ہاں اس میں غرر موجود، کیونکہ یہ معدوم کی بیع ہے اور معدوم میں غرر کا عنصر پایا جاتا ہے، البتہ استحسان اور عرف کی وجہ سے اسے جائز قرار دیا گیا ہے۔ غرر کے متعلق ڈاکٹر صدیق امین لکھتے ہیں:

وأرىٰ أن الاستحسان وإن كان بيع معدوم إلا انه بيع معدوم محقق الوجود في العادة فلاغرر فيها لاسيما على الرأى الذى يجعله عقداً لازماً مادام الشئ الممنوع على الصفة المطلوبة كما سنرى فهو اذن جائز قياساً لانه معاوضة خال عن المعاوضة.[49]

ترجمہ: میرا خیال ہے کہ استصناع میں اگرچہ معدوم چیز کی بیع ہے، لیکن یہ معدوم چیز ایسی جس کا مستقبل میں وقوع یقینی ہے لہٰذا اس عقد میں کوئی غرر نہیں ہے۔ خصوصاً اگر اس رائے کو اختیار کیا جائے جس کے مطابق بیع اگر مطلوبہ صفات کی حامل ہو تو عقد معاوضہ ہے جس میں غرر نہیں پایا جاتا ہے، لہٰذا اس اعتبار سے قیاس کا تقاضہ بھی یہ ہے کہ یہ عقدِ معاوضہ ہے جس میں غرر نہیں پایا جاتا ہے۔

استصناع کے جواز کے شرائط:

1: جس چیز کا آرڈر دیا گیا ہے اس کی جنس، نوع، صفت اور مقدار معلوم ہو۔ 2: استصناع کا عقد ایسی چیز کے بارے میں ہو جن کا عرف میں رواج ہو، جیسے فرنیچر، عمارت وغیرہ۔ اگر کسی چیز میں استصناع کا عرف نہیں ہے تو وہاں پر استصناع جائز نہیں۔ 3: امام ابو حنیفہ کے ہاں عقدِ استصناع میں مدت مقرر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

حوالہ جات

[1] الموسوعة الفقهية الكويت وزارة الأوقاف والشؤون الإسلامية الكويت ج31، ص 139

[2] ابنِ منظور، لسان العرب، ابنِ منظور دارِاحیاء التراث العربي، بیروت، ج1، ص 41

[3] محمد بن يعقوب، القاموس المحيط الفيروز آبادی، مجد الدين محمد بن يعقوب، دارِ احیاء التراث العربي، ج2، ص 143

[4] مجد الدين، جامع الأصول فى أحاديث الرسول، مجد الدين ابو سعادات المبارك بن محمد، مكتبة دار البيان، ص 527

[5] الانفطار 5

[6] الکاسانی، بدائع الصنائع، علاؤ الدین ابوبکر بن مسعود الکاسانی، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، ج5ص 143

[7] السرخسی، کتاب المبسوط، السرخسی محمد بن احمد ابی سهيل أبو بكر، بيروت دار المعرفة، ج12، ص 194

[8] شهاب الدين القذافی، الفروق، ابو العباس شهاب الدين القذافی، دار المعرفة بيروت، ج3، ص 264

[9] الهمام، كمال الدين محمد بن عبد الواحد بن عبد المجيد بن مسعود، فتح القدير، كوئٹه مكتبة الرشيد، ج6 ص 132

[10] الدسوقی، حاشية الدسوقی على شرح الكبير الدسوقی، شمس الدين الشيخ محمد الدسوقی، بيروت دار الفكر، ج3 ص 55

[11] شهاب الدين الرملی، شمس الدين محمد بن ابو العباس احمد بن حمزة، نهاية المحتاج، دار احياء التراث العربي، بيروت، ج3ص 392

[12] تقی الدين، القواعد النورانية الفقهية، أبو العباس تقی الدين أحمد بن عبد الحليم، مطبعة السنة المجدية، القاهرة ص116

[13] آل عمران 3:29

[14] البقرة 2:188

[15] الاعراف 6:36

[16] آل عمران 3:116

[17] امام مسلم، صحیح مسلم، ابو الحسن مسلم بن الحجاج القشيری، ، مكتبة الاسلامية، استنبول، حديث 3691

[18] ابو داؤد سليمان بن اشعث السجستانی، سنن ابو داؤد، دار احياء السنة النبوية، بيروت، رقم الحديث 3382

[19] امام ماجه، ابنِ ماجه، ابو عبد الله محمد بن يزيد القزوينی المتوفی 297، دار احياء التراث العربي، بيروت، رقم الحديث 2195

[20] ابنِ بطال شرح صحیح بخاری، ج2ص272

[21] شهاب الدين و الفروق، ابو العباس شهاب الدين القذافی، دار المعرفة بيروت، ج1، ص 151

[22] زين الدين، الأشباه والنظائر، زين الدين بن ابراهيم، ادارة القرآن، كراچی، ، ج1، ص326

[23] النووی، المجموع شرح المهذب، أبو زكريا محی الدين بن شرف النووی، دار الفكر، بيروت، ج9، ص 328

[24] موفق الدين ابو محمد عبد الله بن أحمد بن محمد، المغنی ابن قدامة، دارِ عالم الكتب الطبعة الثالثة، رياض، ج6، ص150

[25] شهاب الدين القذافی، الفروق، ابو العباس شهاب الدين القذافی، دار المعرفة بيروت، ج3، ص 260

[26]القرطبی، بداية المجتهد, ابو الوليد محمد بن أحمد بن محمد بن أحمد بن رشد القرطبی, ج2،ص127

[27]قاضی أبو الوليد سليمان بن خلف بن سعد بن أيوب بن وارث الباجی، المنتقى فی شرح المؤطا، مطبعه السعاده ، مصر، ج5 ، ص41

[28]الدسوقی حاشية الدسوقی ،على شرح الكبير، شمس الدين الشيخ محمد الدسوقی دار الفكر بيروت، ج3، ص 60

[29]ابو الوليد، المقدمات، ابو الوليد محمد بن احمد بن رشد، دار الغرب الاسلامی، بيروت، ص 73

[30]ابن تيمية، القواعد النورانية الفقهية، ابن تيمية، مطبعة السنة النبوية المحمدية، القاهرة، ص118

[31]البقرة2:282

[32]عبد الله ،الحاكم المستدرك على الصحيحين، الحافظ عبد الله محمد بن عبد الله الحاكم ،دار الكتب العلمية بيروت، ج2ص314

[33]البخاری ،صحيح البخاری، ابو عبد الله محمد بن اسماعيل البخاری ،دار الكتب العلمية بيروت، رقم الحديث 3124

[34]الامام محمد، كتاب الأم ، الامام محمد بن ادريس ،دار الفكر بيروت، ج6 ص 288

[35]برهان الدين ،الهداية، برهان الدين أبو الحسن على بن ابی بكر، ادارة القرآن كراتشی، ج5 ،ص 222

[36]Mufti Taqi Usmani ,An Introduction To Islamic Finance, Dar al Isha'at, Karachi, P:186

[37]الكاسانی ،بدائع الصنائع ، علاؤ الدين ابوبكر بن مسعود الكاسانی، ايچ ايم سعيد كمپنی ،كراچی، ج5ص 202

[38]ايضا، ج5ص213

[39]موفق الدين ابو محمد عبد الله بن أحمد بن محمد، المغنی ابن قدامة، دارِ عالم الكتب الطبعة الثالثة، رياض، ج6 ،ص404

[40]الهمام، كمال الدين محمد بن عبد الواحد بن عبد المجيد بن مسعود ،فتح القدير، مكتبة الرشيد كوئٹه ج5 ،ص 219

[41]محمد الخرشی، بهامش الشيخ على العدى الخرشی على مختصر سيد خليل الخرشی، محمد الخرشی، دار صادر بيروت ، ص210

[42]سليمان، حاشية الجمل، سليمان بن عمر بن منصور ،دار الكتب العلميه، بيروت، ج5، ص192

[43]الشوكانی، نيل الاوطار، الامام محمد بن محمد الشوكانی المتوفی 255 مصطفى البابی الحلبی وأولاده، مصر ج5 ص192

[44]محمد امين، رد المحتار، محمد امين الشهير الشامی المتوفی 1252 ايچ ايم سعيد كمپنی كراچی، ج4 ص 526

[45]الزبيدی ،تاج العروس، السيد محمد مرتضى الزبيدی ،دارِ صادر بيروت، ج5، ص 422

[46]الكاسانی ،بدائع الصنائع ، علاؤ الدين ابوبكر بن مسعود الكاسانی، ايچ ايم سعيد كمپنی ،كراچی، ج5ص 2

[47]محمد امين، رد المحتار، محمد امين الشهير الشامی المتوفی 1252 ايچ ايم سعيد كمپنی كراچی، ج5 ,ص 224

[48]الكاسانی ،بدائع الصنائع ، علاؤ الدين ابوبكر بن مسعود الكاسانی، ايچ ايم سعيد كمپنی ،كراچی، ج5ص 2

[49]الصديق محمد أمين ، الغرر وأثره فی العقود، الصديق محمد أمين الضرير، ص 466